امام علی رضا علیہ السلام اور سیاسی جدوجہد

آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی

ترجمہ: مولانا سید ولی الحسن رضوی

امام رضا علیہ السلام کا دور

جب بات امام رضا علیہ السلام تک پہونچتی ہے حالات دوبارہ بہتر ہو جاتے ہیں۔ امامؑ کو نسبتاً سکون کے ساتھ تبلیغ و اشاعت کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ ہر طرف شیعہ پھیلتے نظر آتے ہیں، امکانات میں بھی اتنی فراوانی پیدا ہوجاتی ہے کہ مسئلہ امامؑ کی ولی عہدی پر جا کر منتہی ہوتا ہے اگر چہ جب تک ہارون بقید حیات رہا امام ہشتم کو بھی خاموشی اور تقیہ کی زندگی بسر کرنی پڑی پھر بھی آپ کی جدوجہد اور سیاسی مہم جاری رہتی ہے، اسلامی تحریک اور تبلیغ و ابلاغ میں خلل پیدا نہیں ہوسکا گو کہ یہ سارے کام مکمل احتیاط کے ساتھ خفیہ طور پر انجام پاتے ہیں — انسان سمجھ سکتا ہے مثال کے طور پر دعبل خزاعی کا حضرتؑ کی ولی عہدی کے دوران ان الفاظ میں مدح سرائی کرنا ظاہر ہے یہ چیز یکا یک زمین سے نہیں برآمد ہوگئی تھی — وہ معاشرہ جس میں دعبل خزاعی جیسی شخصیت پرورش پارہی ہو اور ابراہیم ابن عباس جو حضرت کے مداحوں میں سے ہیں یا اسی قسم کے دوسرے کئی افراد جہاں موجود ہوں اس کی ثقافت و معاشرت میں خاندان رسول کے ساتھ محبت و ارادت کا عنصر موجود ہونا ایک بدیہی سی بات ہے ایسا نہیں ہے کہ بغیر کسی بنیاد کے دفعتاً مدینہ، خراسان، رَے نیز دیگر دور دراز علاقوں میں لوگ امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کا جشن منانے لگتے ہیں سوائے اس کے کہ یہ مان لیا جائے کہ پہلے سے اس طرح کے نقوش مرتب ہو رہے تھے۔ وہ حالات و واقعات جو امام علیہ السلام کی ولی عہدی کے دوران پیش آتے ہیں (بڑی اہمیت کے حامل ہیں) ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی ولی عہدی کے دوران عوام کے جوش و جذبات، اہلبیتؑ کی محبت و عقیدت کے سلسلہ میں بڑی اونچی سطح پر پہونچ چکے تھے۔ بہر حال بعد میں امین اور مامون کے درمیان شدید اختلاف کی وجہ سے بغداد و خراسان کے درمیان پانچ سال تک جنگ و جدال کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور یہ چیز امام رضا علیہ السلام کے لیئے اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے اور یہ سلسلہ ولی عہدی کے ساتھ اپنی انتہا کو پہونچ جاتا ہے افسوس بس اس بات کا ہے کہ یہاں بھی امامؑ کی شہادت کی وجہ سے رشتۂ رشد و ہدایت قطع ہوجاتا ہے اور ایک بار پھر ایک نئے دور سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو اہلبیتؑ کے لیئے جانفشانی اور غم و آلام کا دور کہا جاسکتا ہے۔ میری نظر میں امام جواد علیہ السلام اور آپ کے بعد کا دور اہلبیت علیہم السلام کے لیئے ہمیشہ سے زیادہ بدتر دور رہا ہے اور اس میں

ان حضرات کو سب سے زیادہ محنت و جانفشانی کرنی پڑتی ہے۔ یہ ائمہ علیہم السلام کی سیاسی زندگی کا مجموعی خاکہ تھا جو میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا۔

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کر دیا تھا کہ میں اپنی بحث کو دو حصوں میں منقسم کر رہا ہوں جس کا ایک حصہ یہی مجموعی سیاسی خاکہ تھا جو اس منزل پر تمام ہوجاتا ہے۔ اب رہی دوسرے حصہ کی بات جو ائمہ علیہم السلام کی اس سیاسی جدو جہد کے نمود و اثرات سے متعلق ہے۔ اس وقت شاید اس سلسلہ میں تفصیلی بحث نہ ہو سکے لیکن وہ چیز جو میں نے محسوس کی ہے اور ادھر وقت نکال کر دو ایک روز اس پر کام کر سکا ہوں محض عنوان کے طور پر یہاں ذکر کر دینا چاہتا ہوں۔ البتہ یہ ذہن میں رہے کہ تمام قابل بحث عنوانات میں نہیں پیش کر رہا ہوں بلکہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیئے نمونہ کے طور پر صرف چند عنوانات حاضر خدمت ہیں۔

ائمہ کی سیاسی جدو جہد کے نمود و آثار

ان میں سے ایک مسئلہ ''امامت کا ادعا اور اس کی طرف دعوت'' ہے جو ائمہ کی زندگی میں جگہ جگہ نظر آتا ہے اور ان حضرات کی سیاسی جدو جہد کا یہی بنیادی محور ہے۔ دراصل یہ ایک مبسوط فصل ہے جس کے ذیل میں مختلف ابواب کے تحت روایات موجود ہیں منجملہ اس کے کافی کی روایت :''الائمة نور اللّٰہ ...'' امامت کی معرفی کے ذیل میں امام ہشتمؑ کی روایت نیز صادق اہلبیت طہارتؑ سے مروی مختلف روایات اور طرح طرح کے مخالفین سے آپ کے اصحاب کے مجادلے، اس کے علاوہ اہل عراق کو دعوت دیتے ہوئے امام حسینؑ کی زندگی سے متعلق روایات غرضیکہ اس موضوع پر بہت سی روایتیں موجود ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ائمہ کی کوششوں اور دعوؤں سے خلفائے وقت کیا سمجھتے تھے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ سے لے کر متوکل عباسی کے دور تک مسلسل طور پر ائمہ کے مقاصد اور منصوبوں کے سلسلہ میں ایک ہی فکر و خیال پایا جاتا ہے۔

ہمیشہ خلفاء اور ان کے عمال و کارندے ائمہ علیہم السلام کو ایک ہی نظر سے دیکھتے رہے اور قہری طور پر ائمہ کے بارہ میں ان کی طرف سے ایک ہی انداز کا فیصلہ صادر ہوتا رہا ہے۔ یہ نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور بآسانی اس سے عبور نہیں کیا جا سکتا۔ ائمہ کے سلسلہ میں ان سب کا ایک ہی نظریہ کیوں ہے؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ مثال کے طور پر امام ہفتم موسیٰ ابن جعفرؑ کے سلسلہ میں یہ کہا جانا کہ ''**خلیفتان یجبی الیهما الخراج**.............'' یا امام ہشتم علی رضا علیہ السلام کے لیئے یہ جملہ: ''**ھٰذا علی ابنه قد قعد و ادعی الامر لنفسه**.......'' یا دیگر ائمہؑ کے بارہ میں اسی قسم کے جملے اس بات کی واضح نشان دہی کرتے ہیں کہ خلفائے وقت اور ان کے رفقائے کار ائمہ کی زندگی سے کس قسم کے دعوؤں کا استنباط کرتے تھے۔ یہ نہایت ہی قابل توجہ اور اہم ترین نکتہ ہے۔

ایک اور اہم مسئلہ خلفائے وقت کا اپنی امامت پر اصرار اور شیعیان آل محمدؐ کا اس امر کی نزاکت کے پیش نظر

مسلسل اس کی مخالفت کرنا ہے۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ جس کی اور بھی نظیریں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: کثیرؔ جو دور بنوامیہ کے پہلے دور کے صف اول کے شعراء (یعنی فرزدقؔ، جریرؔ، اخطل، جمیلؔ اور نصیبؔ وغیرہ کا ہم پلہ شمار کیا جاتا ہے) شیعہ اور امام محمد باقر علیہ السلام کے عقیدتمندوں میں سے ہے ایک دن امام پنجم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، امام علیہ السلام شکایت کے لہجہ میں اس سے سوال کرتے ہیں: **امتدحت عبد الملک**؟ میں نے سنا ہے کہ تم نے عبدالملک کی مدح سرائی کی ہے؟! وہ ایک دم گھبرا کر امام سے عرض کرتا ہے: **یابن رسول اللہ ماقلت لہ ''یا امام الھدیٰ''** اے فرزند رسولؐ میں نے اس کو امام ہدیٰ تو نہیں کہا ہے'' **وانما قلت لہ اسد والاسد کلب و یا شمس والشمس جماد و یا بحر والبحر موات۔۔۔۔۔''** ہاں میں نے اس کو شیر، سورج، سمندر، پہاڑ اور اژدہا جیسے خطابات سے ضرور نوازا ہے اور کسی کے لیئے درندہ ہونا یا جماد سے قرار دیا جانا وغیرہ کوئی فضیلت کی بات تو نہیں ہے۔ اس طرح امامؑ کے سامنے کثیرؔ اپنے عمل کی توجیہ پیش کرتا ہے کہ امام کے لبوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے اور تب شاعر آل محمد کمیتؔ اسدی اٹھتا ہے اور اپنا وہ ''قصیدہ ہاشمیہ'' سناتا ہے جس کا مطلع یہ ہے:۔

من لقلب میتم مستھام غیر ماصبوۃ ولا احلام

یہاں تک کہ وہ اس شعر پر پہنچتا ہے:

ساسۃ لا لکمن یریٰ رعیۃ الناس
سواء و رعیۃ الانعام

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام عبد الملک جیسے کی مدح کے سلسلہ میں کتنے حساس تھے اور دوسری طرف کثیر کے مثل آپ کے دوستوں کی حساسیت ''امام الھدیٰ'' پر مرکوز تھی تو وہ فوراً کہتا ہے کہ مولا! میں نے عبد الملک کو امام الھدیٰ نہیں کہا ہے —اور یہی واقعہ اس بات کی بھی صاف نشان دہی کرتا ہے کہ خلفائے وقت کو اپنے امام الھدیٰ کہے جانے کی کتنی تمنا تھی۔ چنانچہ بنوعباس کے یہاں یہ جذبہ کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر لیتا ہے —— مروان ابن ابی حفصہ اموی جسکو بنو امیہ اور بنو عباس دونوں درباروں کی غلامی اور مداحی کا فخر حاصل ہے (جی ہاں! یہی تو عجیب چیز ہے یہ شخص بنوامیہ کے زمانہ میں درباری شاعر تھا اور جب بنوعباس برسر اقتدار آئے تو ان کا بھی درباری شاعر بن گیا!! چونکہ اس کو زبان و بیان پر بڑی قدرت حاصل تھی لہٰذا بنوعباس نے بھی اس کو پیسوں کے ذریعہ خرید لیا) چنانچہ جب یہ بنوعباس کی مدح سرائی پر کمر باندھتا ہے تو یہ ان کی شجاعت و کرم جیسی عامیانہ مدح پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان کی پیغمبر اسلام کے ساتھ قرابت داری کی بنیاد پر انہیں اس مقام و مرتبہ تک پہونچا دیتا ہے جس کے وہ دیرینہ متمنی تھے۔ اپنے ایک شعر میں کہتا ہے:۔

انی یکون و لیس ذاک بکائن

لبنی البنات وراثۃ الاعمام

یعنی یہ چیز کیسے ممکن ہے کہ دختر زادے چچا کی میراث کے حقدار بن جائیں؟ کیا کہنا! پیغمبر کے چچا عباس کی میراث نہیں معلوم یہ دختر زادے (اولاد فاطمہؑ) کیوں

ہڑپ کرلینا چاہتے ہیں!!

آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ سارا جھگڑا حق خلافت کے مسئلہ پر ہے اور حقیقتاً یہی سیاسی وثقافتی جنگ رہی ہے۔ چنانچہ اس کے جواب میں مشہور ومعروف شیعہ طائی شاعر، جعفر بن عفان کہتا ہے:۔

لم لا یکون ؟ و ان ذاک لکائن
لبنی البنات وراثة الاعمام
للبنت نصف کامل من ماله
والعم متروک بغیر سهام

یعنی بیٹی اپنے باپ کے نصف مال کی وارث ہوتی ہے اور بیٹی کی موجودگی میں چچا کا مرنے کے والے کے ترکہ میں کچھ بھی حق نہیں ہوتا لہٰذا میراث میں تمہارا حق ہی کیا ہے جو طلب کرر ہے ہو۔

اس واقعہ سے بھی امامت کے مسئلہ میں شیعیان آل محمدؐ کی حساسیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک مسئلہ ائمہ علیہم السلام کی طرف سے خونین جدو جہد کی تائید وحمایت ہے جس کا شمار ائمہ کی زندگی سے متعلق گرما گرم بحثوں میں ہوتا ہے اور ائمہ کی سیاسی جدوجہد کی پالیسی کی حکایت کرتا ہے۔ مثلاً معلیٰ بن خنیس جس وقت داؤد بن علی کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں اس وقت کے امام جعفر صادقؑ کے تاثرات و اظہارات ملاحظہ فرمائیں یا اسی طرح جناب زید شہید، سید الشہداء امام حسین علیہ السلام، شہید فخ نیز بعض دوسرے حضرات کے سلسلہ میں امام علیہ السلام کے ارشادات دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے ''نو رالثقلین'' میں ایک عجیب و غریب روایت دیکھی، یہ روایت علی ابن عقبہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں:۔

''ان ابی قال دخلت انا والمعلی علی ابی عبدالله (ع) فقال (ع): ابشروا انتم علی احدی الحسنیین شفی الله صدورکم و اذهب غیظ قلوبکم وانالکم من عدوکم وهو قول الله تعالیٰ و یشف صدور قوم مومنین و ان مضیتم قبل ان یروا ذلک مضیتم علیٰ دین الله الذی رضیه لنبیه (ص) ولعلی (ع)''

میں اور معلیٰ ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؑ نے فرمایا: تم لوگوں کو بشارت ہو کہ دو میں سے ایک نیک ترین انجام (کامیابی یا شہادت) تمہارا منتظر ہے خداوند عالم نے تمہارے سینوں کو شفا عطا کیا (یا کرے) اور تمہارے دلوں کے غیظ وغضب کو ٹھنڈے کردئے (یا کرے) اور تم کو دشمنوں پر مسلط کردیا (یا کرے) اور یہی وعدۂ الٰہی ہے جو خدا نے (مومنین سے) کیا ہے ''ویشف صدور قوم مومنین''، قبل اس کے کہ یہ کامیابی تمہارے قدم چومے اگر تم دنیا سے رخصت ہوجاتے (یا رخصت ہوجاؤ) تو تمہاری قربانی خدا کے اس دین کے لیئے ہے (یا ہوگی) جس کو پروردگار نے اپنی نبی (محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور علی (علیہ السلام) کے لیئے پسند فرمایا ہے۔

یہ روایت اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں جہاد ومبارزہ، کامیابی وکامرانی اور قتل کرنے اور قتل

کردئے جانے کے سلسلہ میں بات کی گئی ہے۔ بالخصوص اس میں معلیٰ بن خنیس مخاطب ہیں جن کے واقعہ سے ہم سب واقف ہیں۔ امام علیہ السلام بغیر کسی تمہید و مقدمہ کے بات شروع کردیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ امامؑ کسی خاص چیز یا حادثہ سے متعلق گفتگو کررہے ہیں جبکہ کسی کو حادثہ کا علم نہیں ہے۔ ممکن ہے ''شفی اللہ صدورکم'' تا آخر کی عبارت امام علیہ السلام نے دعا کے طور پر ارشاد فرمائی ہو اور زیادہ احتمال اس بات کا ہے کہ امام کسی پیش آئے ہوئے واقعہ کی خبر دے رہے ہوں تو آیا یہ دونوں حضرات کسی مہم سے واپس ہوئے تھے جس کی حضرت کو خبر تھی یا ہوسکتا ہے کہ خود امامؑ نے ان کو اس مہم پر مامور کیا ہو؟

کچھ بھی ہو حدیث کا لب و لہجہ ان میں سے ہر دو معنی و احتمال کی بنیاد پر واضح طور پر بتاتا ہے کہ امام علیہ السلام اس تیز و تند اور مخاصمت آمیز طریقہ کار کے حامی تھے جو معلیٰ بن خنیس کی روزمرہ کی زندگی میں دیکھنے میں آتا ہے اور یہ چیز بھی توجہ کے قابل ہے کہ معلیٰ امام صادقؑ کے ''باب'' ہیں اور یہ ''باب'' کی تعبیر خود اپنی جگہ پر ایک مستقل فکر و تحقیق کا موضوع ہے۔

وہ حضرات جو روایات میں ائمہ علیہم السلام کے ''باب'' کے طور پر پیش کئے گئے کون لوگ ہیں؟ جبکہ ان میں سے زیادہ تعداد ان کی ہے جو یا تو مقتول ہیں یا جن کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے؟ مثال کے طور پر یحییٰ بن ام الطویل، معلیٰ بن خنیس، جابر بن یزید جعفی ۔۔۔۔ وغیرہ

ائمہ علیہم السلام کی زندگی سے متعلق ایک اور بحث ان کا قید خانوں میں رکھا جانا، گھر سے دربدر کیا جانا اور انھیں زیر نظر رکھا جانا بھی ہے اور میری نظر میں یہ موضوع بہت زیادہ تحقیق و تدقیق کا طالب ہے کیونکہ اس سلسلہ میں بہت سے مطالب تحقیق و دقت نظر کے محتاج ہیں اور دامن وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی خاطر خواہ بحث کرسکوں۔

ایک اور مسئلہ خلفا کے مقابلہ میں ائمہ علیہم السلام کا بے خوف و خطر، صاف و صریح بے باک رویہ ہے اور اس بحث کے ذیل میں قابل غور و فکر نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ حضرات بھی معاذ اللہ دبو، مفاہمت پسند اور حالات سے سمجھوتہ کرنے والے ہوتے تو اپنے دور کے دوسرے علماء و زہاد کی طرح کسی مخالفانہ لب و لہجہ کے بجائے نرم و شیرین انداز کلام کا انتخاب کرتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت بہت سے ایسے علماء و زہاد موجود تھے جن سے خلفاء نہ صرف علاقہ و محبت بلکہ ارادت بھی رکھتے تھے۔ ہارون کہتا تھا ؎

کلکم یمشی روید　　کلکم یطلب صید

غیر عمرو بن عبید

یہ لوگ خلفاء کو نصیحتیں بھی کرتے ہیں حتی کہ کبھی کبھی ان کو رلاتے بھی ہیں پھر بھی یہ حضرات خلفاء کو ظالم و جابر اور طاغی و غاصب یا شیطان اور اس کے ہم معنی دوسرے الفاظ کے ذریعہ یاد کرنے سے احتراز و احتیاط برتتے ہیں اس کے برخلاف ائمہ علیہم السلام ایسی کوئی رعایت نہیں کرتے حقائق کا برملا اظہار فرمادیتے ہیں، ارباب حکومت کے ظاہری جاہ و

حشم اور سطوت وہیبت ان کی زبانیں بند نہ کر سکی۔

ایک اور بحث ائمہ علیہم السلام کے ساتھ خلفائے وقت کی معاندانہ روش ہے مثال کے طور پر امام صادقؑ اور منصور کے درمیان نیز امام کاظمؑ اور ہارون کے درمیان جو حادثات وواقعات رونما ہوتے رہے ہیں اور جن میں سے دو ایک نمونے ہم نے اشارہ کے طور پر ذکر بھی کیے ہیں۔

امامت کی حکمت عملی

ایک دوسری بحث جو پورے طور پر قابل توجہ اور لائق مطالعہ ہے، ائمہ علیہم السلام کے بے باک دعوے ہیں جن سے امامت کی بنیادی حکمت عملی کا صاف پتہ چلتا ہے۔ کہیں کہیں ائمہؑ کے ارشادات ومباحثات میں اس طرح کے دعوے اور بیانات نظر آتے ہیں جو عام انداز سے بالکل مختلف ہیں اور ایک خاص مقصد وراہ عمل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ان ہی واقعات سے امامت کی صحیح حکمت عملی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی موارد میں سے ایک وہ موقع ہے جب حضرت موسی

ہارون امام علیہ السلام سے کہتا ہے: **حد فدکا حتی اردھا الیک** فدک کے حدود معین کر دیجئے تا کہ اسے ہم آپ کو واپس کر دیں۔

اس کا خیال تھا کہ اس طرح فدک کا نعرہ جو ہمیشہ تاریخ میں اہلبیت علیہم السلام کی مظلومیت کے عنوان سے دوہرایا جاتا رہا ہے اس کو بے اثر بنادے اور ذریت رسولؐ سے ان کا یہ ہتھیار چھین لے اور شاید اس طرح شیعوں کے ذہنوں میں اپنے اور غاصبین فدک کے درمیان فرق جتانا بھی مقصود رہا ہو چنانچہ حضرتؑ پہلے تو اس کی پیشکش کو رد کر دیتے ہیں اور جب اس کی طرف سے اصرار بڑھتا ہے تو امام علیہ السلام فرماتے ہیں: ''**لا اخذھا الا بحدودھا**'' اگر فدک واپس ہی کرنا ہے تو اس کی واقعی حدود کے ساتھ واپس کرو۔ ہارون قبول کر لیتا ہے تو امامؑ حدود فدک معین فرمانا شروع کر دیتے ہیں:-

''**اما الحد الاول فعدن**'' اس کی پہلی حد، عدن ہے

یہ گفتگو مدینہ یا بغداد میں ہو رہی ہے —امام جزیرۂ عرب کی آخری سرحد عدن کو فدک کی ایک حد کے طور پر معین کر رہے ہیں۔

''**فتغیر وجه الرشید و قال: ایھا**'' ہارون رشید کے چہرہ کا رنگ اڑ جاتا ہے اور بے اختیار کہتا ہے۔ اوہ!

حضرت فرماتے ہیں: ''**والحد الثانی سمرقند**'' اس کی دوسری حد سمرقند ہے۔ مشرق میں ہارون کی سلطنت یہیں منتہی ہوتی تھی۔

''**فاربد وجهه**'' ہارون کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔

امامؑ فرماتے ہیں: ''**والحد الثالث افریقیه**'' اور اس کی تیسری حد ٹیونس سے ملتی ہے۔ یہ عباسی حکومت کی مغربی سرحد ہے۔

''**فاسود وجهه و قال: ھیه**'' ہارون کا چہرہ غصہ سے سیاہ پڑ جاتا ہے اور کہتا ہے: اچھا؟!! امامؑ اپنی

بات جاری رکھتے ہیں ''والحد الرابع سیف البحر مما یلی الجزر و ارمینیه'' اور اس کی چوتھی سمت سمندر کے کناروں سے ملتی ہے جس کی پشت پر جزیرے اور ارمنستان ہیں۔ یہ ملک کا آخری شمالی حصہ ہے۔

اب ہارون کا پارہ آخری نقطہ پر پہونچ چکا تھا کھسیاہٹ اور غصہ کے عالم میں کہتا ہے: فلم یبقی لنا شئ فتحول الیٰ مجلسی!! پس ہمارے لیئے کیا بچتا ہے اٹھئے اور میری جگہ بیٹھ جایئے۔قال موسیٰ ''قد اعلمتک اننی ان حددتها لن تردها '' امامؑ نے فرمایا: میں نے پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے فدک کی حدیں بیان کر دیں تو کبھی واپس نہ کرے گا۔

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں: ''فعند ذلک عزم علیٰ قتله'' یعنی یہی وہ منزل تھی جب ہارون امامؑ کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیتا ہے۔

اس پوری گفتگو میں واضح ترین چیز امام علیہ السلام کا ادعا ہے وہ چیز جس کو ہارون نے بھی اچھی طرح سمجھ لیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے قتل پر کمر بستہ ہو گیا۔ اور اسی قبیل کے اظہارات جس سے ائمہ علیہم السلام کے دعوؤں کا صاف پتہ چلتا ہے امام باقرؑ، امام صادقؑ اور امام رضاؑ کی زندگیوں میں بھی نظر آتے ہیں جن کو اگر یکجا کر دیا جائے تو امامت کا موقف واضح طور پر سامنے آجائے۔

ائمہؑ کے طریقۂ کار کے سلسلہ میں ان کے اصحاب کا نظریہ

ائمہؑ کی زندگی کا مطالعہ کرتے وقت ایک اور مسئلہ جس کی تحقیق اور چھان بین ضروری معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ ائمہؑ کے مقاصد ان کے طریقۂ کار اور مدعا کے سلسلہ میں ائمہؑ کے اصحاب کیا نظریہ رکھتے تھے، اس کا جائزہ لیا جائے۔ بدیہی سی بات ہے کہ ہمارے مقابلہ میں اصحاب ائمہؑ ان بزرگواروں سے زیادہ نزدیک بھی تھے اور ان کے مقصد و مدعا سے زیادہ واقف و آگاہ بھی تھے تو سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ان کے کیا تاثرات تھے اور وہ اس کی کیا تفسیر کرتے تھے؟ کیا روایات سے اس نکتہ کی وضاحت نہیں ہوتی کہ خود اصحاب بھی قیام و خروج کے منتظر تھے؟ خراسان کے اس شخص کی داستان سے کون ناواقف ہے جو امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ کئی لاکھ مسلح افراد وارد میدان ہونے کے سلسلہ میں آپ کے اشارہ کے منتظر ہیں۔ جب حضرت مذکورہ اعداد و شمار پر تعجب فرماتے ہیں تو وہ پے در پے اعداد میں کمی کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ بات کو ختم کرتے ہوئے امامؑ اپنے اصحاب اور انصار کے اوصاف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اگر اس طرح کے اتنے (۱۲، ۱۵ یا ...... افراد اختلاف روایات کے ساتھ) مجھے میسر ہوتے تو میں میدان میں آجاتا۔

اس طرح کے بہت سے افراد امام کے پاس آکر قیام کا تقاضہ کرتے رہے ہیں (روایات میں خروج کا لفظ استعمال ہوا ہے البتہ بعض موارد میں امامؑ سے قیام کا مطالبہ کرنے والوں میں عباسی حکومت کے جاسوس بھی ملتے ہیں جس کا اندازہ امامؑ کی جانب سے ان کو دیئے جانے والے جوابات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے)

آخر یہ افراد امامؑ کی خدمت میں اس قسم کا مطالبہ لے کر کیوں حاضر ہو رہے تھے؟ کیا اس سے یہ نہیں پتہ چلتا کہ اس وقت شیعوں کے درمیان حق و انصاف پر مبنی حکومت کی تاسیس کے لیئے قیام وخروج ایک حتمی اور ائمہؑ کے مقاصد سے ہم آہنگ امر شمار ہوتا تھا چنانچہ ائمہ علیہم السلام کے اصحاب و انصار میں یہ بات مشہور تھی کہ امامؑ کسی مناسب موقع کی تلاش میں ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک قابل توجہ روایت نظر سے گذری جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ زرارہؔ ابن اعین جیسے بلند مرتبہ صحابی بھی اس سلسلہ میں کیا نظریہ رکھتے تھے۔ رجال کشی میں روایت ہے: ایک دن زرارہ امامؑ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص اپنی تلاش میں سرگرم دشمن کے ہاتھوں سے بھاگ نکلا ہے اگر ''یہ امر'' (حکومت کے لیئے قیام) نزدیک ہو تو وہ صبر کرے تا کہ قیام کرنے والوں کے ساتھ خروج کرے اور اگر اس میں تاخیر ہو تو وہ مصالحت کر لے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں: ''وہ وقت آئے گا'' زرارہ سوال کرتے ہیں: کیا ایک سال کے اندر ایسا ہوگا؟ امامؑ فرماتے ہیں: ''انشاءاللہ وہ وقت آئے گا'' زرارہ پھر پوچھتے ہیں: کیا دو سال لگ جائے گا؟ امامؑ اپنا جملہ دہرا دیتے ہیں: ''انشاء اللہ وہ وقت آئے گا'' اور زرارہ یہ سوچ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ دو سال تک آل علیؑ کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

یقیناً زرارہ سادہ لوح و بے اطلاع افراد میں سے نہ تھے وہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے قریب ترین اصحاب میں سے تھے ان کا اس قدر قریب ترین زمانہ میں حکومت علوی کی تشکیل کا اندازہ لگانا ظاہر ہے بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔

ایک دوسری روایت میں ہشام ابن سالم نقل کرتے ہیں کہ ایک روز زرارہ نے مجھ سے کہا: **لاتریٰ علیٰ اعوادھا غیر جعفر** (ع) مسند خلافت پر امام جعفرؑ ابن محمدؑ کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیکھو گے۔ ہشام کہتے ہیں جب امام صادقؑ نے شہادت پائی تو میں نے زرارہ سے کہا: ''کیا تم کو اپنی وہ بات یاد ہے؟'' مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ بھول نہ گئے ہوں مگر زرارہ نے کہا: ہاں مگر خدا کی قسم میں نے وہ بات اپنے اندازہ کے مطابق کہی تھی (مطلب یہ ہے کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ زرارہ نے وہ بات امام علیہ السلام سے نقل کی تھی)

متعدد روایتوں سے اصحاب ائمہؑ کی طرف سے قیام کی درخواست یا اس کے انتظار کا پتہ چلتا ہے اور اس سے اس بات کی واضح نشان دہی ہوتی ہے کہ ائمہ علیہم السلام کا ہدف و مقصد یعنی حکومت علوی کی تشکیل، اس کے لیئے تلاش وجستجو اور اس کا متوقع ہونا شیعیان آل محمدؐ حتیٰ کہ ائمہؑ کے قریب ترین ساتھیوں کے درمیان مسلمات میں شمار ہوتا تھا اور یہ چیز ائمہؑ کے ہدف و حکمت عملی کا ایک قطعی قرینہ ہے۔

ایک دوسری بحث یہ ہے کہ ائمہ کے ساتھ خلفائے وقت کے بغض و عناد اور خصومت و دشمنی کی علت کیا تھی؟ آیا ان کے حسد کی وجہ محض ائمہؑ کی معنوی عظمت اور عوام میں ہر دل عزیزی تھی اور ان تمام دشمنیوں کی اصل بنیاد یہی چیز تھی؟ یا حقیقت امر کچھ اور ہے؟

یقیناً اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ائمہ علیہم السلام خلفاء نیز اس طرح کے دوسرے افراد کے حسد کا نشانہ رہے ہیں کہ جیسا کہ قرآن کی آیت: **ام یحسدون الناس علی ما آتیھم اللہ من فضلہ** کی تفسیر کے ذیل میں اس مضمون کی روایت موجود ہے کہ ''نحن المحسودون'' یعنی وہ لوگ جن سے لوگوں کا حسد کرنا اس آیت میں ذکر ہوا ہے ہم لوگ ہیں۔ پھر بھی یہ دیکھنا پڑے گا کہ ائمہؑ کے ساتھ لوگوں کے حسد کی بنیاد کیا ہے؟ کیا ان کے علم وتقویٰ سے لوگ حسد کرتے تھے؟ تو یہ سبھی جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایسے علماء وزہاد بھی موجود تھے جو انہی صفات کے ساتھ لوگوں میں پہچانے جاتے تھے اور ان کے چاہنے والوں اور دوستوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ مثال کے طور پر ابو حنیفہ، ابو یوسف، حسن بصری، سفیان ثوری، محمد بن شہاب اور اسی طرح کے دسیوں مشہور ومعروف چہرے اس وقت موجود تھے، جن کے بڑی تعداد میں مطیع وخیر خواہ موجود تھے اور نہ صرف یہ کہ لوگوں کے درمیان مشہور تھے بلکہ ان کے محبوب بھی تھے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ خلفاء نے نہ فقط یہ کہ ان کے ساتھ بغض وحسد کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان میں سے بعض خلفا کی محبت وارادت کے مرکز بھی رہے ہیں۔

لہٰذا ہماری نظر میں ائمہؑ کے ساتھ خلفاء کی ایسی شدید دشمنی جو گرفتاری، دربدری، قید وبند اور پھر شہادت پر منتہی ہوتی ہے اس کی اصل علت کسی اور ہی چیز میں تلاش کرنی چاہیے۔ اور وہ خلافت وامامت کے سلسلہ میں ان حضراتؑ کا ادعا ہے جو دوسروں کے یہاں نہیں نظر آتا۔ یہ ان ہی بحثوں میں سے ایک بحث ہے جس پر تحقیق وتدقیق کئے جانے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح ایک تحقیق طلب موضوع ائمہ علیہم السلام کے اصحاب کا آستانۂ خلافت کے ساتھ تیز وتند مقابلہ اور ٹکراؤ ہے جس کے نمونے ائمہؑ کی زندگی کے دوران بخوبی مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔ حضرت سید سجادؑ کے زمانے میں جو سخت خفقان وگھٹن کا دور ہے یحییٰ بن ام طویل جو حضرت کے حوارئین میں سے تھے۔ مسجد مدینہ میں آتے تھے اور ان لوگوں سے جو یا تو دربار خلافت کے سامنے سرتسلیم خم کر چکے تھے یا خلافت کے کارگزاروں میں سے تھے خطاب کرتے ہوئے قرآن کی وہ آیت پڑھتے تھے جس میں کفار سے جناب ابراہیمؑ کی گفتگو کا ذکر ہے: ''**کفرنا بکم وبدأ بیننا و بینکم العداوۃ والبغضاء...**'' اور اسی طرح کناسۂ کوفہ میں مجمع عام میں شیعوں کے ایک گروہ کو خطاب کرتے ہوئے باآواز بلند ایسی تقریر کرتے ہیں جس کا لفظ لفظ حکام وقت کی سیاست کے لیئے کھلا ہوا چیلنج تھا۔

معلّٰی ابن خنیس نماز عید کی ادائیگی کے لیئے جب لوگوں کے ہمراہ صحرا کی جانب جاتے تھے تو نہایت ہی پریشاں حال غیر مرتب لباس میں غمگین صورت بنائے وہاں پہونچتے تھے اور جیسے ہی خطیب منبر پر جاتا تھا ہاتھوں کو بلند کرکے باآواز بلند کہتے تھے:'' **اللھم ان ھذا مقام خلفائک و اصفیائک و موضع امنائک ... ابتزوھا** '' پروردگارا! یہ منبر اور یہ مقام تیرے منتخب اور برگزیدہ جانشینوں کا ہے جو فی الحال ان سے چھین لیا گیا ہے

اور دوسروں نے اس پر اپنا پنجہ مضبوط کرلیا ہے۔

اور مقام افسوس ہے کہ یہ بلند مرتبہ صحابی جس کے قاتل پر امام صادق علیہ السلام لعن و نفرین کرتے ہوئے مقتول کی تعریف و توصیف فرماتے ہیں بعض افراد کی تنقید و بے مہری کا نشانہ بن کر ثقہ اور امین کی فہرست سے خارج کردئے گئے ہیں اور بعید نہیں ہے کہ اس فکر کے پیچھے بھی بنوعباس کا خبیث ہاتھ کارفرما ہو۔

ایک اور مسئلہ جس کے لیئے کافی دقت اور بحث عمیق کی ضرورت ہے، مسئلہ تقیہ ہے۔ اصل میں تقیہ کا مورد اور عنوان سمجھنے کے لیئے لازم ہے کہ وہ تمام روایات جو کتمان و پردہ داری نیز خفیہ سرگرمیوں سے متعلق ہیں ان کی چھان بین کی جائے تاکہ ایک طرف تو ائمہ علیہم السلام کے اس ادعا اور ہدف کے پیش نظر جن کا گذشتہ بحثوں میں ذکر کیا جاچکا ہے اور دوسری طرف خلفائے زمانہ کے اس شدید ردعمل کے پیش نظر جو ائمہ علیہم السلام اور ان کے اصحاب کی سرگرمی اور سیاسی فعالیت کے خلاف ظاہر ہوتا رہا ہے —— تقیہ کا صحیح اور حقیقی مفہوم سمجھا جاسکے۔

البتہ ایک چیز جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے وہ یہ کہ تقیہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے یا تمام کام اور سعی و کوشش ترک کردینے کا نام نہیں ہے بلکہ پوشیدہ طور پر حفاظت کا خیال رکھتے ہوئے اپنے کام کو جاری رکھنے کو تقیہ کہتے ہیں اور یہ بات بھرپور طور پر، روایتوں پر ایک نظر ڈالنے سے ہی روشن ہوجاتی ہے۔ یہ ائمہ علیہم السلام کی حیات طیبہ سے متعلق ضروری مباحث کا صرف ایک حصہ ہے ان بزرگان دین کی سیاسی زندگی سے مربوط بہت سی دوسری بحثیں بھی ہیں جن کی فہرست پیش کرنے کی بھی اب گنجائش نہیں ہے اگرچہ ان سے متعلق ضروری یادداشتیں میرے پاس اس وقت بھی موجود ہیں۔ بندہ نے ان تمام موضوعات موضوعات پر بڑی تفصیل کے ساتھ کام کیا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اس وقت ان تمام چیزوں کو تدوین کرنے کی فرصت نہیں رہ گئی ہے۔ اے کاش! ایسے باہمت افراد پیدا ہوجاتے جو اس کام کو آگے بڑھاتے اور ائمہ علیہم السلام کی سیاسی زندگی بھی یکجا صورت میں لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچ جاتی اور ہم ان عظیم ہستیوں کی زندگی کے ان تمام روشن پہلوؤں کو اپنے لیے درس اور نمونے کے عنوان سے اختیار کرتے نہ یہ کہ صرف ایک زندہ و پائندہ یادگار کے طور پر اس کا ذکر کرلینا ہی کافی سمجھ لیتے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب علی بن شعیبؒ بن بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا:
اے علی! سب سے اچھی زندگی کس کی ہے؟—— میں نے عرض کیا مولا آپ بہتر جانتے ہیں —— اس وقت آپ نے فرمایا:
''جس کی بدولت دوسروں کی زندگی خوشگوار ہوجائے'' اور جانتے ہو زندگی کے لحاظ سے بدترین شخص کون ہے؟ میں نے پھر اپنی لاعلمی ظاہر کی تو آپ نے فرمایا: ''جس کی زندگی میں دوسروں کا کوئی حصہ نہ ہو —— اے علی! جو نعمتیں تمھیں عطا کی گئی ہیں ان کی قدر کرو اور یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں، کیونکہ اگر ان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو دوبارہ ملنے کا بہت کم امکان ہے —— اے علی! بدترین شخص وہ ہے جس کی زندگی دوسروں کے لئے مفید نہ ہو۔ جو مہمانوں اور حاجت مندوں کی پروانہ کرتا ہوا کیلا کھاتا ہو اور اپنے ماتحت پر ظلم کرتا ہو۔